جڑواں

محمد قمر سلیم

ایسوسی ایٹ پروفیسر، انجمنِ اسلام اکبر پیر بھائی کالج آف ایجوکیشن، واشی، نوی ممبئی، موبائل: 9322645061

ماجد اور ساجد جڑواں بھائی تھے۔ یوں تو شکل وصورت میں دونوں ایک جیسے تھے، لیکن باقی ساری باتوں میں ایک دوسرے سے جداگانہ تھے۔ ماجد کی رنگت گوری تو ساجد کی سیاہ۔ ایک اسکالر تو دوسرا کھلاڑی۔ ایک سنجیدہ تو دوسرا مذاقیہ، ایک پڑھاکو تو دوسرا باتونی، ایک سبزی خور تو دوسرا گوشت خور۔ ایک تنہائی پسند تو دوسرے کے گرد میلہ لگا رہتا۔ ماجد گھر سے باہر قدم نکالنا نہیں چاہتا تو ساجد چاہتا کہ ہر دم باہر رہے۔ اتنے اختلافات ہونے کے بعد بھی کچھ باتیں ایسی تھیں جو یکساں تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بنا نہ ناشتہ کرتے نہ کھانا کھاتے۔ دونوں ہی اپنے دادا دادی کے بنا نہیں رہتے تھے۔ دونوں ہی دادا دادی کو بہت چاہتے تھے۔ جہاں موقع ملتا ان کے کمرے میں آکر گھنٹوں بتاتے تھے۔ وہ لوگ اپنے دادا راشد علوی کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے دادا ریلوے میں سپرنٹنڈنٹ تھے اور پاپا واجد علوی ریلوے میں ہی ٹی سی تھے۔ ان کے دادا محمود آباد کے امین آباد علاقے میں آشیانہ سوسائٹی کے فلیٹ نمبر ۱۰۲ میں رہتے تھے۔ یہ تین کمروں کا مکان تھا۔ ایک کمرے میں دادا دادی رہتے تھے۔ دوسرے میں پاپا ممی اور تیسرے میں ماجد اور ساجد رہتے تھے۔ جب ماجد اور ساجد پیدا ہوئے تو ان کے والد واجد بہت خوش ہوئے تھے۔ ان کی تو مراد بر آئی تھی۔ پیدائش کے فوراً بعد ہی انھوں نے طے کر لیا تھا کہ ماجد کو ڈاکٹر بنائیں گے اور ساجد کو انجینئر۔ ماجد تو ان کی امیدوں پہ کھرا اتر رہا تھا وہ ہر جماعت میں اول نمبر آرہا تھا جبکہ ساجد کے پاس ہونے کے بھی لالے پڑ جاتے تھے۔

آج ان کا دسویں کا نتیجہ آیا تھا۔ ماجد نے بورڈ ٹاپ کیا تھا اور ساجد! بس پاس ہو گیا تھا۔ ساجد کے والد اس سے خفا خفا سے رہتے تھے۔ اس کی وجہ ساجد کا ان کی امیدوں پر پورا نہیں اترنا تھی۔ ساجد کا سارا دھیان کھیل میں تھا۔ وہ بہت اچھا کرکٹ اور فٹبال کھیلتا تھا اور چاہتا تھا کہ اس میں نام کمائے، لیکن واجد کے لیے کھیل کا شوق زندگی کی بربادی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو وہ انجینئرنگ کر لے تاکہ اس کی زندگی سنور جائے۔

ساجد تھا کہ وہ کسی بھی طرح پڑھائی میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا کھیل کا جنون سر پر سوار تھا، لیکن ماجد اپنے والد کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ اس کو کسی سے کوئی مطلب نہیں تھا بس کتابوں میں گھسے رہنا۔ اب تو اس نے دادا دادی کے پاس بھی بیٹھنا کم کر دیا تھا نہ ہی گھر کا کوئی کام کرتا تھا۔ اس کی اپنے پاپا سے بہت اچھی نبھتی تھی۔ ساجد کو جب سے یہ احساس ہونے لگا کہ اس کے پاپا اسے نہیں چاہتے ہیں تو وہ اپنی ماں اور دادا دادی کے پاس گھسا رہتا تھا۔ وہ گھر کے سب کام بھی کرتا تھا۔ دادا دادی کا خیال بھی رکھتا تھا۔ اس کے والد نے اب تو یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ ساجد کو دادا دادی ہی بگاڑ رہے ہیں۔ ٹی سی ہونے کی وجہ سے واجد کچھ دن گھر پر تو کچھ دن باہر رہتا تھا، لیکن جب بھی گھر آتا تھا تو ماجد اس سے چپٹا رہتا تھا۔ ایک دن واجد سے اس کی بیوی نے کہا، 'ماجد گھر کا کوئی بھی کام نہیں کرتا ہے سارا کام ساجد کو ہی کرنا پڑتا ہے۔' واجد نے کہا، 'تو کیا ہو گیا، تمہیں دکھتا نہیں ہے ماجد پڑھائی میں لگا رہتا ہے اور آپ کے یہ صاحب زادے ہر وقت کھیل میں، تو کھیل سے اچھا ہے گھر کا کام کرنا۔' واجد ماجد کی ہر خواہش پوری کرتا تھا اور ساجد ہر بات کے لیے ترستا تھا۔۔۔

ان کے دادا بھی ریٹائر ہو گئے تھے۔ انھیں پنشن ملتی تھی اس میں ان کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی تھیں بلکہ وہ پوتوں کی بھی ضروریات پوری کرتے رہتے تھے۔ واجد کا بھی کچھ مہینے پہلے پروموشن ہوا تھا اس کی تنخواہ بھی بڑھ گئی تھی اس لیے گھر کے خرچے اچھی طرح چل رہے تھے۔ ان دونوں کی گیارھویں بھی مکمل ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ایک ہی کمرے میں رہتے تھے۔ ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔ ماجد پڑھتا تھا تو ساجد گانے گاتا تھا یا کچھ بھی ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہتا تھا۔ ایک دن دونوں بھائیوں میں خوب ہاتھا پائی ہوئی اور ماجد نے دھمکی دے دی کہ وہ ڈاکٹریٹ کی پڑھائی نہیں کرے گا جب تک اس کو الگ کمرہ نہیں دیا جائے گا۔ واجد کے تو جیسے خواب ہی چکنا چور ہو رہے تھے اور وہ اپنے خوابوں کو ٹوٹتا ہوا نہیں

دیکھ سکتا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا، میں کیا کروں، ابھی اتنا پیسہ تو تھا نہیں کہ چار کمروں کا مکان لے سکے۔ یہ مکان بھی اس کے والد کا تھا۔ وہ کرے تو کیا کرے۔ وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے ماجد سے کہہ تو دیا کہ وہ دس پندرہ دن میں کچھ انتظام ضرور کرے گا۔ وہ ماجد کو ہاسٹل بھی نہیں بھیجنا چاہتا تھا، ابھی بچّہ ہی تو ہے، کہیں غلط صحبت میں پڑ گیا تو۔ بہت سوچنے کے بعد وہ ایک نتیجے پر پہنچا۔ اس نے اپنے دل کی بات اپنی بیوی شاذیہ کو بتائی۔ شاذیہ سن کر کانپ گئی۔ اس نے احتجاج کیا، لیکن واجد اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کی ٹھان چکا تھا اس لیے وہ غلط اور صحیح کے فرق کو سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

ایک دن وہ بہت ہمت کر کے اپنے ابا اور امی جان کے پاس گیا اور ڈرتے ڈرتے اپنے دل کی بات کہنے لگا۔ 'ابو، آپ تو دیکھ ہی رہے ہیں ساجد تو کچھ پڑھنا لکھنا چاہتا ہی نہیں اور اب وہ ماجد کو بھی نہیں پڑھنے دے رہا ہے۔ اس کی حرکتیں دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہیں۔ میں بھی گھر پر نہیں رہتا ہوں۔ ایسے میں اس پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ آپ کا بھی سر چڑھا ہوا ہے، وہ آپ کی بات نہیں سنتا ہے۔ اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ ماجد اور ساجد کو الگ الگ کمرے میں رکھوں تا کہ ماجد اپنی ڈاکٹریٹ کی پڑھائی کر سکے اور ہو سکتا ہے کہ الگ رہ کر ساجد بھی سدھر جائے۔' اس کے والد راشد علوی نے کہا، 'بیٹا یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ساجد بہت اچھا بچّہ ہے، تم اگر یہ سوچ رہے ہو کہ وہ بھی پڑھائی کی طرف راغب ہو جائے گا تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ دونوں کو الگ الگ کمرے دے دو۔' 'ابو مسئلہ تو یہی ہے۔ دوں کہاں سے۔ ایک کمرے میں آپ رہتے ہیں، ایک میں میں اور شاذیہ اور ایک میں یہ دونوں۔ اگر ماجد کو کمرہ دیتا ہوں تو ساجد کہاں رہے گا۔ وہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ.....ابو آپ غلط مت سمجھیے گا پلیز۔ اگر.....آپ لوگ اولڈ ہوم میں شفٹ ہو جائیں گے تو آپ کا کمرہ ساجد کو دے دوں گا۔ ابو وہاں آپ لوگوں کی دیکھ بھال بھی اچھی ہو جائے گی۔ اولڈ ہوم یہاں سے قریب ہی تو ہے ہم لوگ روز آتے رہیں گے.....' اس کے باپ نے کہا، 'برخوردار بس۔ ابھی تو یہ گھر میرا ہے۔ تمہارے حوصلے تو بہت بلند ہیں۔ ارے اگر تمہارا گھر ہوتا تو تم تو ہمیں دھکے مار کر نکال دیتے۔ بس مجھے کچھ نہیں سننا ہے۔' واجد کی ماں خاموشی کا پیکر بنی بیٹھی تھی اور ان کی آنکھوں سے متواتر آنسو بہے جا رہے تھے۔

آج ماجد اور ساجد کے دادا دادی اولڈ ہوم شفٹ ہو رہے تھے۔ ساجد اپنے دادا کے پیروں میں لپٹ گیا تھا اس کا روتے روتے برا حال تھا۔ دادا آپ مت جائیے میں آپ کے ساتھ آپ کے کمرے میں رہ لوں گا، مجھے الگ کمرہ نہیں چاہیے۔ پلیز دادا پلیز۔ دادی دادا کو بولو نا وہ مجھے چھوڑ کر نہ جائیں۔ دادی نے اسے سمجھایا بیٹا ہم بہت دور تھوڑی جا رہے ہیں۔ تم جب چاہو ہمارے پاس آ جانا۔ اس کے دادا کی حالت تو غیر تھی۔ دراصل اس کے دادا ابھی بھی گھر چھوڑ کر جانا نہیں چاہ رہے تھے، لیکن ساجد کی دادی نے انھیں بہت سمجھایا تھا کہ یہ سب کچھ آپ نے اپنے بچّوں اور پوتوں کے لیے ہی تو کیا ہے اور آپ کا مقصد بھی تو پوتوں کی کامیابی ہے۔ پھر واجد بھی یہ سب کچھ اپنے لیے تھوڑی ہی کر رہا ہے۔ وہ بھی تو آپ کے پوتوں کے لیے ہی سوچ رہا ہے۔ اس دن سے ماجد تو اپنی پڑھائی میں مگن ہو گیا، لیکن ساجد اپنے آپ کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگا۔ اس کا زیادہ تر وقت باہر گزرتا تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹے اولڈ ہوم اپنے دادا دادی کے پاس رہتا تھا۔ دن تو کسی طرح کٹ جاتا تھا، لیکن اس کے لیے رات کاٹنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ جو بچّہ بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں چلا جاتا تھا آج نیند اس سے روٹھ گئی تھی۔ وقت گزرتا رہا اور ان کا بارہویں کا رزلٹ بھی آ گیا۔ ماجد نے حسبِ دستور بارہویں بورڈ ٹاپ کیا اور ساجد کی قسمت کہ وہ بالکل کنارے پہ آ کر پاس ہوا۔ ماجد نے میڈیکل کا ٹیسٹ بھی پاس کر لیا اور اس کا داخلہ شہر کے سب سے اچھے کالج میں ہو گیا۔ واجد بہت خوش تھا۔ اب لوگ اسے ڈاکٹر صاحب کے والد کے طور پر جانیں گے۔ اس نے اپنے تعلقات کی بنا پر ساجد کا داخلہ بھی اس کی مرضی کے خلاف انجینئرنگ میں کروا دیا اس کا کہنا تھا کہ ان جینئرنگ کر لے گا تو اسے ریلوے میں ہی نوکری مل جائے گی۔ ساجد جو کرکٹ کی دنیا میں نام کمانا چاہتا تھا اور اس نے اپنی ماں سے کہا تھا مجھے بھی پیسے چاہیے ہیں میں کرکٹ اکیڈمی جوائن کروں گا۔ اس کی ماں نے اس کا ذکر اپنے شوہر سے کیا تو اس نے پیسہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ساجد جب بھی پریشان ہوتا تھا تو وہ اپنے دادا دادی سے فرمائش کرتا تھا۔ اس دن بھی اس نے دادا سے کہا تھا، 'دادا مجھے دو لاکھ روپے چاہیے ہیں، میں کرکٹ اکیڈمی میں داخلہ لوں گا۔ مجھے کرکٹر بننا ہے۔' اس وقت اس کے دادا نے کہا تھا بیٹا میں نے تیرے پاپا کے پاس تم دونوں بھائیوں کے لیے پانچ پانچ لاکھ روپے رکھوا دیے ہیں تم اس میں سے اپنی اکیڈمی کی فیس بھر دو۔ ساجد سارے راستے نہ جانے کتنے خواب بنتا ہوا آیا، وہ سچن بنے گا یا کوہلی کی طرح کھیلے گا۔ سب لوگ کتنا خوش ہوں گے جب وہ اسٹیڈم میں چھکّوں کی بوچھار کرے گا اور سب سے زیادہ تو اس کے دادا خوش ہوں گے۔ پھر وہ پاپا کو بھی بتا دے گا کہ وہ بھی ان کا نام روشن کر سکتا ہے۔ وہ مارے خوشی کے پاگل ہو رہا تھا۔ گھر آتے ہی اس نے ساری بات اپنی امی سے کہہ ڈالی۔

دادا نے پاپا کے پاس میرے جو پیسے رکھوائے ہیں ان پیسوں میں سے کرکٹ اکیڈمی میں جمع کروا دیجیے۔اس کی ماں بھی بہت خوش ہوگئی۔ وہ بھی واجد کے رویے سے بہت نالاں تھی۔اس کی ساجد کو لے کر روز ہی ان بن ہوتی رہتی تھی اور اکیلے میں رولیا کرتی تھی۔شاذیہ نے واجد سے کہا،'ساجد کے دادا نے جو رقم دی ہے اس سے اس کی اکیڈمی کی فیس بھر دو،لیکن جب واجد نے کہا کہ وہ پوری رقم تو اس نے ماجد کے داخلے میں لگا دی اور اس کے پاس ابھی کچھ بھی نہیں ہے۔شاذیہ اپنا دل مسوس کے رہ گئی۔اس نے یہ بات ساجد کو بتائی۔اس دن ساجد ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ اس کے خوابوں کا محل زمیں بوس ہو چکا تھا۔ وہ ساری رات کروٹیں بدلتا اور روتا رہا۔اتنا رویا کہ روتے روتے ہلکان ہو گیا تھا۔اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔رات بھر آنسوؤں کا سیلاب آتا رہا جس سے اس کا تکیہ، چادر، کپڑے سب پوری طرح سے بھیگ چکے تھے۔وہ اپنی زندگی میں اتنا کبھی نہیں رویا تھا،اتنا کبھی نہیں تڑپا تھا،لیکن بچّے کی فطرت کو یہ خوابوں کے سوداگر کیا جانیں۔ان کو تو اپنے سپنوں سے سروکار ہے۔ان کا بچوں پہ یہ کیا کم احسان ہے کہ انھوں نے انھیں اس دنیا سے متعارف کرایا۔اس لیے اگر انھیں جینا ہے تو ان کے سپنوں کو ساکار کرنا ہی ہوگا ورنہ ان کا اپنا وجود بھی باقی نہیں رہے گا۔صبح وہ بہت جلدی اٹھ گیا تھا۔مسجد میں اس نے فجر کی نماز ادا کی اور صبح صبح ہی اپنے دادا دادی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ لوگ بھی اتنی صبح اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔انھوں نے پوچھا، بیٹا! اتنی صبح، کیا بات ہے۔تم فیس جمع کرنے کب جاؤ گے۔' ساجد نے اپنے درد کو چھپاتے ہوئے کہا،'دادا میں اب کرکٹ اکیڈمی جوائن نہیں کروں گا۔میں کالج کی طرف سے ہی کھیلوں گا۔ میں وہ پیسے کسی اور وقت دوسرے کام کے لیے استعمال کروں گا' اور یہ کہہ کر اس نے اپنا سر اپنی دادی کی گود میں چھپالیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

میڈیکل میں داخلہ ہونے کے بعد ماجد اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گیا تھا ادھر بادل نخواستہ ساجد نے بھی کالج جانا شروع کر دیا،لیکن اس کا دل پڑھائی میں بالکل نہیں لگ رہا تھا دوسرے یہاں اس کا کرکٹ کا شوق بھی پورا نہیں ہو پا رہا تھا کیوں کہ یہاں تو ہر بچّہ افلاطون بنا ہوا تھا، جسے دیکھو وہ پڑھائی میں لگا ہوا ہے۔ وقت بچتا تو موبائل کے ساتھ وقت گزرتا۔ساجد کو موبائل کا بالکل بھی شوق نہیں تھا۔اپنے محلے میں بھی اب وہ کسی کے ساتھ کرکٹ نہیں کھیل پا رہا تھا۔ ہر کوئی اپنی کالج لائف میں مصروف ہو گیا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ ماجد نے میڈیکل کی تعلیم مکمل کر لی تھی۔اسے تو اب صرف ڈگری کا انتظار تھا اور وہ دن بھی آ گیا۔آج اس کے والد خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔سینا فخر سے چوڑا ہو گیا تھا۔ اب لوگ اسے بہت عزت کی نظر سے دیکھیں گے۔مثالیں دیں گے۔ دیکھو ایک ٹی سی کا بیٹا ڈاکٹر بن گیا۔ماجد کو ڈگری ملی۔ ہر کوئی خوش تھا۔ دوست احباب، رشتے دار سب مبارک باد دینے آ رہے تھے۔دوسری طرف ساجد ابھی بھی انجینئرنگ کے تیسرے سال میں تھا۔اپنے بھائی کی کامیابی پہ وہ خوش تو بہت تھا،مگر رہ رہ کر ایک ٹیس اٹھتی تھی کہ کاش! پاپا میرا داخلہ بھی کرکٹ اکیڈمی میں کرا دیتے تو اس وقت میں بھی آئی پی ایل کے مقابلوں میں کھیلتا۔اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے،لیکن وہ ان آنسوؤں کو پی گیا۔ڈگری حاصل کرتے ہی ڈاکٹر ماجد کی نوکری گورنمنٹ اسپتال میں لگ گئی۔ ماجد بہت ہی قابل اور محنتی تھا۔اس کی قابلیت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ بہت کم مدت میں مشہور ہو گیا۔اکثر سینئر ڈاکٹرس بھی اس سے مشورہ کرتے تھے۔نوکری اور شہرت ملنے کے بعد اب واجد کو ڈاکٹر ماجد کی شادی کی فکر ستانے لگی۔وہ چاہتے تھے کہ ان کی بہو بھی ڈاکٹر ہو۔جب تلاش شروع ہوئی تو ماجد کے ساتھ ہی نوکری کرنے والی ڈاکٹر نعیمہ سے اس کی شادی ہو گئی۔

بڑی جدوجہد کے بعد آخر کار چھ سال میں ساجد نے بھی ڈگری حاصل کر لی اور اب وہ نوکری کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ایک دن کی بات تھی کہ اس کی ماں نے واجد سے کہا،'دیکھو، اب تو ساجد نے بھی انجینئرنگ کر لی ہے۔اب ہمیں اس کی بھی شادی کر دینا چاہیے۔'اتنا سننا تھا کہ واجد تو آگ بگولہ ہو گیا۔'جی ہاں، بہت فلک پہ تیر مارا ہے صاحبزادے نے، کب سے مفت کی روٹیاں توڑ رہے ہیں، دوسرے بھائی کو دیکھو کتنا نام روشن کر رہا ہے۔شادی کر دوں۔ایک کو بھر رہا ہوں، دوسری کو لا کر بھی بھروں۔ کان کھول کے سن لو، جب تک صاحبزادے اپنے پیروں پہ نہیں کھڑے ہو جاتے،شادی کے بارے میں سوچنا بھی مت۔ چاہے ساری عمر کنوارا بیٹھا رہے۔ کہہ دو اپنے صاحبزادے سے مفت کی روٹیاں توڑنا بند کریں۔' یہ کہتا ہوا واجد اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ادھر ساجد اپنے ماں باپ کی ساری باتیں سن رہا تھا،لیکن اس نے اپنی ماں پہ کچھ ظاہر نہیں کیا۔وہ شکستہ دل، آنکھوں میں آنسو لیے دبے پاؤں اپنی ماں کے پاس آیا۔اس کی امی دوپٹے میں منھ لپیٹے زارو قطار رو رہی تھیں۔اس نے صرف اتنا کہا،'امی آپ مت روئیں، میں اب پاپا کو کچھ بن کر ہی دکھاؤں گا۔اس کی ماں نے ساجد کی خوب بلائیں لیں۔ اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور بہت سی دعائیں دیں۔ساجد ماں سے رخصت ہوتے ہوئے بولا،'ممی اب میں کچھ بن کر ہی اس گھر میں لوٹوں گا۔'ماں کا

دل بیٹھا جا رہا تھا۔اس نے ساجد کو روکنے کی بہت کوشش کیڈ لیکن اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، اس کے منھ سے الفاظ ہی ادا نہیں ہو پا رہے تھے وہ گھر سے نکل گیا اور سیدھا اپنے دادا دادی کے پاس گیا۔اس کے ہاتھ میں بیگ دیکھ کر دادی بولیں، 'بیٹا کہاں جا رہا ہے۔' 'دادی! میں نوکری کے لیے باہر جا رہا ہوں، کچھ دن بعد واپس آؤں گا' دادا دادی نے بھی اس کو سینے سے لگایا اور خوب دعائیں دیں۔

کئی ہفتے گزر گئے، لیکن ساجد گھر واپس نہیں آیا۔ پھر مہینے اور سال۔ ادھر ماجد کو نوکری کرتے ہوئے تین سال ہو گئے تھے۔اس نے اور نعیمہ نے سوچا انھیں اب اپنا کلینک کھول لینا چاہیے۔انھوں نے واجد سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ انھوں نے اس کے سامنے آشیانہ سوسائٹی کا فلیٹ بیچنے کی تجویز پیش کی۔ پہلے تو واجد منع کرتا رہا کہ یہ اس کے والد کا گھر ہے، وہ اسے نہیں بیچ سکتا۔ کسی طرح ماجد اور نعیمہ واجد کو منانے میں کامیاب ہو گئے۔اب ایک بہت بڑا مرحلہ تھا ماجد کے دادا کو منانے کا۔ ساجد کے چلے جانے کے بعد اس کے والدین اس سے بہت خائف تھے وہ واجد کو ہی قصوروار مانتے تھے۔ اس بار واجد نے شاذیہ کو اپنے ساس سسر کے پاس بھیجا۔ وہ لوگ شاذیہ کی بات بہت مانتے تھے۔شاذیہ کے کہنے پر ان لوگوں نے فلیٹ بیچنے کی اجازت دے دی۔ انھوں نے سول لائن میں دو منزلہ مکان لے لیا۔ ماجد نے نیچے کلینک کھولا اور اوپر اپنے ممی پاپا کے ساتھ رہنے لگا۔ان کا کلینک بھی خوب چلنے لگا تھا۔ ساجد کے چلے جانے سے اس کے دادا دادی بہت افسردہ ہو گئے تھے۔ وہ ہی تو تھا جو ہر دم ان کی دلجوئی کرتا رہتا تھا۔ ان کی ہر بات کا خیال رکھتا تھا اور ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ لوگ بہت بجھے بجھے سے رہتے تھے۔ان کی صحت بھی دن بہ دن گرتی جا رہی تھی۔ وہ تو صرف یہ سوچ کر خوش ہو لیتے تھے کہ ساجد بھی برسرِ روزگار ہو گیا ہوگا، لیکن ایک لمبے عرصے تک اس کی جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، لیکن سچائی سے کون منھ موڑ سکتا ہے۔ ساجد کو گھر سے گئے ہوئے تقریباً تین سال ہو چکے تھے۔اب وہ لوگ مایوس ہو چکے تھے۔ ہر دم وہ اللہ سے اس کی بہتری کی دعا کرتے تھے۔ فلیٹ بکنے کے چند مہینوں بعد ہی دونوں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے اور واجد بھی ریٹائر ہو گیا تھا۔ دو سال میں کلینک میں مریضوں کا تانتا لگ گیا تھا اور کلینک چھوٹا پڑنے لگا۔ ماجد اور نعیمہ نے سوچا اب کیا کیا جائے۔نعیمہ نے کہا، 'ہم لوگ اوپر کے دو کمروں میں کلینک کا اضافہ کر لیں گے۔' ماجد نے کہا، 'مگر وہ تو ہماری رہائش ہے۔' 'تو کیا ہوا، ایسا کرتے ہیں کہ ایک کمرے میں تو ہم لوگ رہیں گے اور دوسرا ڈرائنگ روم۔' 'ہاں، مگر ممی پاپا۔ وہ بھی تو ہیں نا۔' 'ارے تم ان کی کیوں فکر کر رہے ہو، ان کو ہم لوگ اولڈ ہوم میں بھیج دیں گے۔' 'نہیں ممی پاپا کو اچھا نہیں لگے گا۔' 'ارے اس میں اچھے برے کی کیا بات ہے۔ وہ لوگ وہاں سکون سے رہیں گے۔ ہم لوگ بھی اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، ان پر کچھ دھیان بھی نہیں دے پاتے اور پھر تمہارے دادا دادی بھی تو اولڈ ہوم میں رہتے تھے۔' 'ہاں یہ تو ہے۔'

جب واجد اور شاذیہ نے اولڈ ہوم جانے کی بات سنی تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ واجد تھر تھر کانپ رہا تھا۔اس کے سامنے اپنے ابو امی کا چہرہ گھومنے لگا۔اس نے بھی تو اپنے امی ابو کو اولڈ ہوم بھیجا تھا۔آج قدرت نے اپنا نظام دکھا دیا۔ وقت نے بادشاہوں کو نہیں بخشا تو عام انسان کیا ہے اور کسی کو کیا معلوم کہ کس گھڑی وقت اپنا نظام بدل دے۔کب کون وقت کی ٹھوکر کا شکار بن جائے۔ کیا یہی دن دیکھنے کے لیے اس نے ماجد کو ڈاکٹر بنایا تھا۔ واجد نے تو اپنی ساری زندگی صرف اور صرف ماجد کی ڈاکٹری کی نذر کر دی تھی اور وہی ڈاکٹر ماجد آج اسے اولڈ ہوم کا راستہ دکھا رہا تھا۔اس کو اس مقام پر پہنچانے تک اس نے ساجد کے ساتھ نہ جانے کتنی ناانصافی کی تھی۔ کہاوت ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔آج واجد آسمان کی بلندیوں سے فرش پر گر گیا تھا۔ ماجد اپنے ممی پاپا کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ دونوں ساری رات سو نہیں سکے اور نہ ہی دونوں نے ایک دانہ منھ میں ڈالا تھا۔آج واجد اپنی کرنی پہ پشیمان تھا۔اس کے پاس پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔شاید ہی کوئی دن ایسا گیا ہوگا کہ شاذیہ نے ساجد کو یاد نہ کیا ہو، لیکن آج واجد ساجد کو بہت یاد کر رہا تھا۔اب اس کے دن صرف اللہ سے دعائیں مانگتے ہوئے ہی گزر رہے تھے۔'میں نے ساجد کے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے اور امی ابو کا بہت دل دکھایا ہے اس کا ہی نتیجہ ہے کہ میں آج اس حال کو پہنچا ہوں۔جس کو میں نے ہیرا سمجھا تھا اس نے ہی مجھے اپنی تیز دھار سے کاٹ دیا۔اے اللہ مجھے معاف کر دے، میرے ساجد کو واپس بھیج دے۔' وہ روتے روتے بے حال تھا۔رونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ مہینوں میں ہی اس کی آنکھیں خراب ہو گئی تھیں اور ان کا علاج صرف آپریشن تھا۔ رونا، آنسو بہانا اور پچھتانا اس کا نصیب بن گیا تھا۔شروع میں کچھ مہینوں تک تو ماجد اپنے ماں باپ سے ملنے آتا رہا، لیکن بعد میں آنا بالکل بند ہو گیا۔اولڈ ہوم کا خرچہ بھی واجد کی پنشن سے پورا ہوتا تھا۔

ڈاکٹر ماجد نے اپنا بہت عالیشان اسپتال نئی بستی اینڈ ریوز گنج میں بنا لیا تھا اور وہیں اس نے اپنے رہنے کے لیے بنگلہ بھی خرید لیا تھا۔اب اس

کے اسپتال میں امیر لوگ ہی آسکتے تھے۔اس نے اپنی فیس بھی بہت بڑھا دی تھی۔اسپتال میں بھی سستے سے سستا علاج دس لاکھ سے کم نہیں تھا۔وہ بھی سارا پیسہ پہلے ہی ادا کرنا پڑتا تھا۔اس نے اپنی آنکھوں پے پٹّی باندھ لی تھی اور صرف پیسہ کمانے کی ہوڑ میں لگ گیا تھا۔اسپتال میں غریبوں کے علاج کے لیے مختص بیڈ بھی وہ امیروں کو دے دیتا تھا جبکہ دکھایا یہ جاتا تھا کہ کوئی غریب انسان ادھر آتا ہی نہیں ہے۔ماجد اور نعیمہ اب امیروں کی صحبت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ان کا معیارِ زندگی بھی بالکل بدل گیا تھا۔ وہ اتنی دولت کمانا چاہتے تھے کہ ان کے بچے اعلیٰ سوسائٹی کے معیار کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔

آشیانہ سوسائٹی کے فلیٹ نمبر۱۰۲ پر کسی نے بیل بجائی۔اندر سے ایک عورت نے دروازہ کھولا۔'جی! کس سے ملنا ہے۔' واجد صاحب سے۔'کون واجد صاحب!' عورت نے پوچھا۔'یہاں کوئی واجد صاحب نہیں رہتے ہیں۔برسوں سے تو ہم ہی لوگ رہ رہے ہیں۔'اس نے سوچا کہیں وہ غلط جگہ تو نہیں آ گیا۔اس نے نیچے اتر کر ایک بار پھر بلڈنگ کا جائزہ لیا اور دیوار پر لگے بورڈ کو پڑھنے لگا۔اس پر اسے مسٹر رحمان کا نام نظر آیا۔ارے، یہ تو اپنے رحمان انکل ہی ہیں اس کا مطلب میں صحیح جگہ آیا ہوں اور وہ تیسری منزل پر چلا گیا۔اس نے گھنٹی بجائی دروازہ رحمان صاحب نے ہی کھولا تھا،لیکن وہ اسے پہچان نہیں پائے۔اس کے چہرے پر خوب گھنی داڑھی جو تھی۔اس نے کہا،'میں ہوں، ساجد رحمان انکل!' رحمان صاحب کی آنکھوں سے اشک بہنے لگے۔انھوں نے اپنے آنسو پونچھے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگالیا۔'کہاں چلے گئے تھے بیٹا'انھوں نے ساجد کو بٹھایا پھر روندھی ہوئی آواز میں ساری روداد سنا ڈالی۔'بیٹا! تمہارا بھائی تو بہت کم ظرف نکلا۔تمہارے ممی پاپا برسوں سے اولڈ ہوم میں رہ رہے ہیں بیٹا! ان کا کوئی پرسانِ حال بھی نہیں ہے۔تمہارے پاپا ممی تمہارے لیے بہت تڑپ رہے ہیں اور تمہارے باپ نے تو روتے روتے اپنی آنکھوں سے ہی ہاتھ دھولیا ہے۔'

ساجد کی گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی اس کا بس چلتا تو گاڑی اڑا کر لے جاتا۔چند منٹوں میں ہی وہ اولڈ ہوم پہنچ گیا اور جلدی جلدی اپنے والدین کے بارے میں معلوم کیا۔وہ ان کے کمرے کے سامنے کھڑا تھا اس کے پیر ڈگمگا رہے تھے۔ہاتھ کانپ رہے تھے اور دل لرز رہا تھا۔اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔اس کی ممی نے دروازہ کھولا۔دروازہ کھلتے ہی وہ اپنی ماں سے چپٹ گیا۔اس کی ماں آج پہلی بار پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔گرم گرم آنسو اس کے کندھوں پر گر رہے تھے،اس کی پیٹھ ماں کے آنسوؤں سے پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ ماں سے الگ ہونے کے بعد پہلی بار اس کے پاپا نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔انھوں نے اسے بری طرح دبوچ لیا تھا اور روئے چلے جا رہے تھے۔ان کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔روتے روتے ان کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں،لیکن یہ غم اور خوشی کا ایک بہت حسین امتزاج تھا۔ساجد سوچ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ اسی طرح اپنے باپ کی بانہوں میں سو جائے۔درد اتنا تھا کہ جلد سے جلد دوا کی جائے۔واجد کہہ رہے تھے،'مجھے معاف کردے میرے بچے۔میں اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں اندھا ہوگیا تھا۔میں کسی کو سکھ نہیں دے سکا۔میں تیرا، تیرے دادا دادی اور تیری ماں کا گنہگار ہوں۔اللہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔' ساجد نے کہا،'پاپا اب کچھ مت کہیے۔سب ٹھیک ہوجائے گا۔'وہ اپنے ممی پاپا کو اپنے گھر لے کر آ گیا تھا۔اس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ممی پاپا کے لیے اس نے ایک میڈ رکھ لی تھی۔دراصل گھر چھوڑنے کے بعد ساجد اپنے دادا کے آبائی وطن چلا گیا تھا وہاں اس کا بچپن کا ساتھی فروٹ کا کاروبار کرتا تھا۔اس نے ساجد کو اپنے ساتھ لگا لیا تھا پھر دونوں نے مل کر کاروبار کو بہت آگے بڑھایا اور اب وہ فروٹ کے بڑے کاروباریوں میں آتے تھے۔رحمان صاحب نے بتایا تھا کہ ماجد نے شہر کے سب سے مہنگے علاقے میں آنکھوں کا بہت بڑا اسپتال بنا لیا ہے اور دونوں میاں بیوی اسے چلاتے ہیں۔واجد اب ماجد کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے،لیکن ان کی آنکھ کا علاج بھی صرف ماجد کے اسپتال میں ہی ہوسکتا تھا۔وہ اپنے پاپا کو بنا بتائے ماجد کے اسپتال لے کر چلا گیا۔وہاں اس نے پانچ ہزار روپے دے کر رجسٹریشن کرایا۔اسپتال کے جونئر ڈاکٹرس نے واجد کو دیکھا اور کہا اپنے ڈیڈ کو ایڈمٹ کردیجیے جلد سے جلد آپریشن کرنا پڑے گا۔اس نے ریسیپشن پر پیسہ جمع کرتے وقت کہا،'ڈاکٹر ماجد میرے بھائی ہیں۔وہ اپنا جملہ مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ ریسپشنسٹ نے کہا سر سب ہی لوگ کچھ نہ کچھ رشتہ ضرور نکال لیتے ہیں۔میڈم کی سخت ہدایتیں ہیں کہ کسی کو بھی کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں دیا جائے۔آپ کو پورا پیسہ ادا کرنا پڑے گا۔ساجد نے کچھ پیسہ کارڈ سے، کچھ نقد اور باقی چیک سے ادا کیا۔

ایڈمٹ کرنے کے تیسرے دن اس کے پاپا کا آپریشن تھا اور آپریشن ڈاکٹر ماجد کو ہی کرنا تھا۔ابھی تک ساجد کی اپنے بھائی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔وہ بیٹھا ہوا انتظار کر رہا تھا کہ اسے ماجد آتے ہوئے دکھائی دیا۔وہ اس سے ملنے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ سب جونئر ڈاکٹروں نے ڈاکٹر ماجد کو گھیر لیا اور وہ باتیں کرتا ہوا اپنے روم میں چلا گیا۔ساجد نے

روم میں جانے کی کوشش کی، لیکن چپراسی اور نرس نے اسے ملنے نہیں دیا۔ 'آپ سے کہا نا، آپریشن سے پہلے ڈاکٹر ماجد آپ کو ضرور بلائیں گے۔' وہ کرسی پہ جا کر بیٹھ گیا۔

جونیئر ڈاکٹرس نے ڈاکٹر ماجد کو بتایا، 'سر آج دو آپریشن ہیں ایک بچی کا اور ایک مسٹر واجد کا۔ ڈاکٹرس نے واجد کے بارے میں بتانا شروع ہی کیا تھا کہ اتنے میں ایک کال آئی نرس نے کہا سر مسز سنگھانیا آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ ڈاکٹر ماجد نے فون لے لیا، 'جی، مسز سنگھانیا! ہاں ہاں آپ فکر مت کیجیے میں بس دس منٹ میں آ رہا ہوں۔' اب وہ اپنے جونئر کو ہدایت دے رہا تھا دیکھو، میں مسٹر سنگھانیا کے یہاں جا رہا ہوں، ان کی ماں یہاں نہیں آ سکتی ہیں اور ان کی آنکھ میں بہت تکلیف ہے۔' وہ ہدایت دے کر نکل ہی رہا تھا کہ ڈاکٹرس نے کہا، 'سر آج کا آپریشن تو آپ کو ہی کرنا ہے۔ دونوں کیس بہت پیچیدہ ہیں۔ سر پلیز!' دیکھو میرے پاس وقت بالکل بھی نہیں ہے۔ اگر مجھے ہی آپریشن کرنا ہے تو آپریشن کینسل کر دو۔ مجھے جب بھی وقت ملے گا تب ہی کروں گا۔' 'لیکن سر! آپریشن کو ٹال نہیں سکتے، ہمیں آج ہی آپریشن کرنا پڑے گا۔' 'تو میں مجبور ہوں' ماجد نے کہا۔ ماجد سوچ رہا تھا، اگر میں سنگھانیا کے گھر نہیں گیا تو لاکھوں کا نقصان ہو جائے گا اور مجھے یہاں کیا ملے گا۔ چار پانچ گھنٹے برباد ہوں گے۔ میرے کون سے رشتے دار ہیں جو اتنا وقت برباد کروں۔ اس کا انسانیت سے کوئی واسطہ نہیں رہ گیا تھا۔ آج انسانیت شرمسار ہو رہی تھی۔ کتنا خود غرض تھا وہ۔ دولت کے نشے نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ ایسا نشہ جس نے رشتوں کو بھی پہچاننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ سارے جونئر ڈاکٹرس شش و پنج میں پڑ گئے تھے۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، خاموشی توڑتے ہوئے ماجد نے کہا، 'میں جا رہا ہوں۔ آپ لوگ جو بھی فیصلہ کریں مجھے فون پر بتا دیں' اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ ساجد نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تو نرس سے پوچھا، 'ڈاکٹر صاحب!' 'ہاں ایک ایمرجنسی آ گئی اس لیے انھیں جانا پڑا۔' 'پھر آپریشن!' اس نے کہا۔ 'ہاں، وہ دوسرے ڈاکٹرس کریں گے۔' واجد کا آپریشن کامیاب ہو گیا تھا۔ آپریشن کے بعد ساجد اپنے پاپا کو گھر لے کر آ گیا تھا۔ اس درمیان میں ایک بار بھی ڈاکٹر ماجد اسپتال نہیں آیا تھا۔

کچھ دنوں بعد خبر ملی کہ ڈاکٹر ماجد اور ڈاکٹر نعیمہ کو پولیس نے دھوکا دھڑی، انکم ٹیکس چوری اور اپنے فرض سے کوتاہی برتنے کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا۔ سنگین الزامات ہونے کی وجہ سے کورٹ نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف انکوائری کرنے کا حکم دیا۔ پولیس نے ان کے اسپتال اور گھر کو سیل کر دیا تھا۔ ان کے تمام بینک کھاتے منجمد کر دیے گئے تھے۔ اب وہ کوڑی کوڑی کو محتاج تھے۔ ان کے عالیشان محل کھنڈر بن گئے تھے۔ ذلت و رسوائی ان کا نصیب بن گئی۔ ساجد اپنے جڑواں بھتیجوں کو اپنے گھر لے کر آ گیا۔ دادا دادی نے اپنے پوتوں کو سینے سے لگا لیا۔

○○

○○

ابن صفی: شخصیت اور فن کے آئینے میں

اردو ادب میں ابن صفی کی گراں قدر خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر ان کی خدمات کا اعتراف بہت کم ہوا ہے۔ ضرورت محسوس کی گئی کہ تمام ذہنی تحفظات سے بلند ہو کر معروضی انداز میں ان کے ادبی مقام کا تعین کیا جائے تاکہ نئی نسلیں ان کی تخلیقی فتوحات سے واقف ہو سکیں اور ان کے لائقِ رشک طرزِ نگارش، غیر معمولی حسِ مزاح، ذہانت، ذکاوت اور حیرت انگیز زود نویسی کے باوصف فکر و فن کی تازگی کو برقرار رکھنے کی زبردست صلاحیت کا ادراک و احساس کر سکیں۔ ایسے ہر دلعزیز تخلیق کار کا کھلے دل سے اعتراف کرنے کے لیے اردو اکادمی، دہلی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک سے ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس سمینار کے بیس فکر انگیز مقالات پر مشتمل یہ کتاب قارئین کے لیے مفید مطلب بھی ہے اور وقت کی اہم ضرورت بھی۔

مرتبین: خالد محمود، خالد جاوید، صفحات: ۲۴۸، قیمت: ۱۵۰ روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی